روزنامچہ نگاری کے مباحث

فرزانہ کوثر ملک

Abstract:

Diary writing is a very ancient genre in all literatures as well as in Urdu. In a diary a writer describes not only the events, incidents and reflections of his/her personal life but it also reflects the social, political and cultrual scenario of that particulr area and period. In this way, a diary is very important to have literary and historical record of a writer and society.

روزنامچہ نگاری کی تاریخ اُردو ادب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ روزنامچے میں مصنف اپنے شب و روز کے معمولات اور قلبی جذبات و احساسات کو سپردِ قلم کرتا ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف اُس کی ذاتی زندگی سے آگاہی ہوتی ہے بلکہ اُس کے عہد کے معاشرتی، سیاسی، تہذیبی و ثقافتی اور ادبی و لسانی ،اُن پہلوؤں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جن سے اُس کی فکر کی نشوونما ہوئی۔ روزنامچہ دراصل کسی واقعے کے رُونما ہونے کے بعد چشم دید گواہ کا فوری بیان ہوتا ہے جسے من و عن بیان کر دیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے ''فرہنگِ آصفیہ'' میں روزنامچے کا مفہوم اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

> ''ف۔ اسم مذکر۔ سیاپا۔ ہر روز کا حساب کتاب لکھنے کی بیاض۔ وہ بہی جس میں روز روز کا حساب کتاب یا احوال لکھا جائے۔ روزانہ رپورٹ۔ روزانہ اطلاع۔ چٹھا۔ کھاتہ۔ کچا چٹھا۔''ے۱

روزنامچے میں روزنامچہ نگار اپنے احساسات و جذبات ، خارجی واقعات پر تاثرات اور زندگی کے تلخ و شیریں حقیقتوں کی جھلکیاں تاریخ وار رقم کرتا ہے۔ روزنامچے کا خاص موضوع یا عنوان نہیں ہوتا بلکہ اس میں دِن بھر کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

وارث سرہندی ''علمی اُردو لغت'' میں روزنامچے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''(ف۔ مذ) وہ کتاب جس میں ہر روز حال لکھا جائے۔ وہ بہی جس میں روزانہ کا حساب کتاب درج ہو۔ پولیس کا رجسٹر، جس میں جرائم، مقدمات اور پولیس کی دیگر کاروائیاں وقت وار تحریر کی جاتی ہیں۔''ے۲

نور اللغات میں اِسی حوالے سے مولوی نور الحسن نیرّ روزنامچے کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''روزنامچہ (ف) مذکر۔ وہ کاغذ جس میں ہر روز کا حال یا ہر روز کا حساب لکھا جائے۔ جنازے میں حسرت کا کاندھا دیے۔ ہر اِک مُردے کا روزنامہ ہے۔ وہ کاغذ جس میں پٹواری ہر روز کا کام لکھتا ہے۔ پولیس کی روزانہ کاروائی اور تحقیقات کی رپورٹ۔ معنی نمبر ۲ میں روزنامچہ ہی مستعمل ہے۔''ے۳

اِن مطالب کی روشنی میں روزنامچے کی ادبی سطح کے علاوہ اس کا تعلق بعض پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے زمرے میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ پٹواری زمینوں کی پیمائش یا اراضی کی مختلف کیفیات اپنے رجسٹر میں تحریر کرتا ہے تو وہ بھی روزنامچہ ہے۔ اور اگر کوئی تھانے کا محرر اپنے علاقے میں وقوع پذیر ہونے والی وارداتوں کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے تو وہ بھی روزنامچہ کہلاتا ہے۔

اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں روزنامچے کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

فارسی لغات میں ''فرہنگِ عمید'' میں روزمامچے کے حوالے سے مؤلف حسن عمید بیان کرتے ہیں:

''روزنامچہ۔ ا۔م۔ رُ۔ز۔مَ - چَ، روزنامہ بمعنی سرگذشت و شرح احوال و اعمال و وقایع روزانہ و نامہ اعمال ہمہ گفتہ اند۔

(ترجمہ) ''کسی گزرے ہوئے واقعہ کا حال کھول کر بیان کرنا۔ روزانہ پیش آنے والے واقعات کی تفصیل اور وقوع پذیر ہونے کے اسباب تحریر کرنا۔ روزانہ کے اعمال و افعال کا ریکارڈ رکھنا۔''۴

عربی لغت ''المعجم الوسیط'' میں روزنامچے کے حوالے سے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''مُذَكِّرَة'' :دفتر صغير يدون فيه ما يراد تذكره''

ہر وہ چیز جو یاد رکھنا چاہتے ہیں اُسے تحریر کرنا۔''۵

عربی میں اس کے لیے ایک اور لفظ ''مفكرة يوميه'' بھی استعمال ہوتا ہے یعنی ہر روز کی یاداشتیں تحریر کرنے کا روزنامچہ۔۶

انگریزی لغات میں Oxford Online Dictionary کے مطابق:

''Diary: (1) A book in which one keeps a daily record of events and experiences. (2) A column in a newspaper or magazine giving news or gossip on a particular topic. E.g. the City Diary (2) [British] A book with spaces for each day of the year in which one notes appointments or information.'' (8)

اسی طرح محمد رفیق خاور ''اُردو تھیسارس'' میں روزنامچے کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ڈائری، روزنامچہ: رپورٹ، یاداشت، فال نامہ، تصدیق نامہ، میڈل، تمغہ----- بیاض، گوشواری، وزٹر بک----- کیلنڈر/جنتری، روزنامچہ، ڈائری، لاگ، لاگ بک، جرنل، لیجر، کیش بک، رسید، سند، نامہ اعمال، زائچہ، یاداشت وغیرہ۔''۸

اصطلاح میں روزنامچہ سے مراد روزمرہ پیش آمدہ واقعات، معمولات و حالات کو اختصار کے ساتھ سپردِ قلم کرنا ہے۔ علاوہ ازیں روزنامچے میں صرف روزنامچہ نگار کی ذات کی عکاسی نہیں ہوتی بلکہ روزنامچہ نگار کے عہد کی تاریخی، سماجی، سیاسی اور فکری رُجحانات و حالات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ روزنامچہ عام طور پر دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ ایک ہر روز کے تمام واقعات خواہ وہ اہم ہوں یا نہ ہوں اُن کو ضبطِ تحریر میں لانا اور دوسرا اہم دنوں کے یادگار واقعات کو تحریر کرنا ۔ڈاکٹر عطش دُرانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ڈائری عام طور پر ذاتی یاداشتوں پر مشتمل ہوتی ہے ان سے کسی دور کی علمی، ادبی، سیاسی، ثقافتی سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بعض لوگ سفرنامے اور جنگوں کے حالات بھی ڈائری کی صورت میں لکھتے ہیں۔''۹

روزنامچہ نگاری میں سادگی اور بے ساختگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جن کی بدولت قارئین کی زندگی کی حقیقی سچائیوں تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ روزنامچے میں مرکزی کردار مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ روزنامچہ حقائق کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ اردات و مشاہدات کا عکاس ہوتا ہے۔ روزنامچے میں تحریر کیے جانے والے واقعات میں تسلسل برقرار رکھا جاتا ہے جو انسانی شخصیت کا ازسرِ نو جائزہ لینے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ روزنامچہ نگار اپنے تجربات و احساسات کو الفاظ کے پیراہن میں ڈھال کر اپنا ما فی الضمیر بیان کرتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صبیحہ انور لکھتی ہیں:

''روزنامچے میں روزانہ حالات و واقعات، جو لکھنے والے کے مشاہدے یا علم میں آتے ہیں، قلم بند کیے جاتے ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہی ہے کہ یہ ذاتی تاثرات کو جبکہ وہ ابھی تازہ ہی ہوتے ہیں قلم بند کرکے ایک نعمت غیر مترقبہ

کے طور پر محفوظ کر لیتے ہیں اور تجربات ما بعد کی روشنی میں ان کے از سر نو جائزے کا موقع دیتے ہیں۔''ے۱۰

روزنامچہ نگار روزنامچے میں اپنی زندگی کی تلخیوں، ناکامیوں، محرومیوں کے علاوہ اپنی کامیابیوں اور خوشیوں کا بھی برملا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح یہ ڈائری یا روزنامچہ اُس کے لیے تحلیلِ نفسی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ حساس انسان عرفانِ ذات کے بعد اپنا ہر خیال، سوچ، نظریہ یا احساس کسی دوسرے سے کہ کر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اُسے ایسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اُس کے احساس، خیال یا نظریے کو اسی نظر سے پرکھے جس طرح وہ خود محسوس کرتا ہے۔ اس طرح روزنامچہ نگار ڈائری کو اپنے رازوں کا امین بنا دیتا ہے اور ڈائری اپنے مصنف کی ہر بات پر لبیک کہتے ہوئے اُس کے اندر ایسے اوصاف پیدا کر دیتی ہے جو کہ پریم چند کے بقول ہر ادیب کے اندر ہونے بے حد ضروری ہیں ورنہ وہ ادب تخلیق نہیں کر سکتا۔ پریم چند کے بقول :

''جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے، ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہوا، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات میں فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے، وہ آج ہمارے لیے بے کار ہے، اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔''ے۱۱

چنانچہ روزنامچہ ایسی صنفِ ادب ہے جس میں روزنامچہ نگار کا ایمان سچائی ہوتی ہے۔ واقعات کو قطعیت سے بیان کرنے کی صلاحیت اور جراتِ اعتراف کا اعلیٰ انسانی معیار بھی روزنامچے کی خصوصیت ہے۔ تحریر سے انسان کی شخصیت کے نکھار اور سوچ کے زاویوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ پس روزنامچہ اپنے اندر سماجی و ثقافتی رُجحانات، معاشرتی میلانات اور افکار و عقائد کی جھلکیاں بھی پیش کرتا ہے۔ ابوذر عثمانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ڈائری یا روزنامچہ اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کے روزمرہ کے تجربات اور مشاہدات کا بیان ہو اور اسے تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہو۔ اس میں اُن سارے اہم اور غیر اہم، چھوٹے اور بڑے، معمولی اور غیر معمولی واقعات کا بیان ہوتا ہے جو کسی شخص کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ بہ ظاہر یہ واقعات نجی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر ان میں بالواسطہ عام زندگی کے حالات اور کوائف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔''ے۱۲

روزنامچے شائع کرنے کی نیت سے نہیں لکھے جاتے۔ روزنامچہ نگار اپنے قلبی محسوسات اور جذباتی احساسات کو اس یقین کے ساتھ لکھتا ہے کہ یہ کسی اور کی نظر میں نہیں آئیں گے اور صرف مصنف کی قلبی تسکین کا باعث ہی بنیں گے۔ اس لیے یہ بے لوث سچائیوں کے امین ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سید خالد جامعی لکھتے ہیں:

''روزنامچہ نگار اپنا روزنامچہ اس یقین کے ساتھ قلمبند کرتا ہے کہ یہ صفحات روئے زمین پر اُس کے سوا کوئی نہیں پڑھے گا۔ لہٰذا روزنامچے ایسے لافانی حقائق، ابدی سچ، بے لوث سچائی، بے چون و چرا صداقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن پر کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا۔''ے۱۳

روزنامچے کا تعلق واقعاتی ادب سے ہے۔ اس میں چونکہ مصنف کا کردار بنیادی نوعیت کا ہوتا ہے، اس لیے دیانت دارانہ اظہارِ رائے کو اس ضمن میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مصنف کی داستانِ حیات سادہ اور رواں انداز میں اسلوبیاتی پیچیدگیوں کو بالائے طاق رکھ کر بیان کردی جاتی ہے۔ ملمع کاری اور تصنع سے گریز کرتے ہوئے روزنامچہ نگار اپنی دلچسپیاں، مصیبتیں، غم، خوشیاں، دل کے نہاں خانوں میں چھپے راز روانی اور لطف کے ساتھ بیان کر دیتا ہے جس سے اُس کا ذہنی رویّہ اور ذاتی اشغال بے نقاب ہوتے ہیں اور اپنے دور کے اہم سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے جس سے روزنامچہ ایک نجی دستاویز کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اُردو ادب میں روزنامچہ نگاری پر زیادہ کام نہیں کیا گیا۔ دورِ جدید میں اس صنف پر خاطر خواہ توجہ دی جا رہی ہے، اور اصطلاحی معنوں میں اس کی ضرورت و اہمیت کا ادراک بعض

صاحبِ اسلوب روزنامچہ نگاروں کی باقاعدگی سے اس سے وابستگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ مثلاً سید ضمیر جعفری نے اپنی ڈائری باقاعدگی سے لکھی۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''میں ستمبر ۱۹۴۳ سے قریباً روزانہ ڈائری لکھ رہا ہوں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ شب کو ڈائری لکھ کر ہی بستر پر جاؤں۔ خواہ ایک سطر ہی لکھوں۔ کوئی رت جگا آڑے آئے تو اگلی صبح پہلا کام یہی کرتا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ میرے دماغ میں یہ کیڑا کیوں پیدا ہوا اور میں حیران ہوں کہ مجھ جیسا ''چست'' شخص عرصہ گزشتہ چالیس برس سے اس ''کیڑے'' کی پرورش کیسے کرتا رہا۔ اتنی استقامت کا مظاہرہ میں نے ذاتی زندگی کے کسی معاملے میں شاید ہی کیا ہو۔''۱۴

روزنامچے میں مصنف اپنی زندگی کے واقعات کو سادہ عام فہم انداز میں تحریر کرتے ہوئے تمام تر جزئیات کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ واقعات میں رنگ آمیزی کے برعکس روزنامچہ نگار حقیقت پر مبنی مدلل اور دلچسپ مواد سپردِ قلم کرتا ہے۔ تزکِ جہانگیری مغل بادشاہ جہانگیر کا روزنامچہ ہے، اس کے حوالے سے روزنامچے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی ''مقالاتِ شبلی'' (جلد چہارم) میں لکھتے ہیں:

''تزکِ جہانگیری، اس کا روزنامچہ ہے۔ اس سے وہ تاریخ وار تمام واقعات جو اس کو پیش آتے ہیں اور جن اشغال میں وہ مشغول رہتا ہے، تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ شہادت دیتا ہے کہ کتاب لکھنے والا کسی واقعے میں کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ واقعات پر ملمع سازی کا روغن نہیں چڑھا سکتا۔ وہ عیب بھی کرتا ہے تو ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیتا ہے اور ہنر کا کوئی کام اس کے ہاتھ سے بن آتا ہے تو داد طلب خاموشی اختیار نہیں کرتا بلکہ اعلانیہ فخر کا اعلان کرتا ہے۔''۱۵

جہانگیر کے روزنامچے کی طرح ہی دیگر روزنامچوں کو بھی دلچسپی اور فنی عناصر سے بھرپور ہونا چاہیے جو اپنے اندر ثقافتی احساس، سماجی شعور و تمدنی نظریات، گوناگوں واقعات، حادثات اور تجربات لیے ہوئے ہوں۔

اُردو میں اصنافِ ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا ادراک بخوبی ہوتا ہے کہ دیگر اصنافِ ادب کے مقابلے میں روزنامچہ نگاری پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی اس کی کوئی متعین ہیئت ہے۔ دراصل روزنامچے کی تکنیک میں سائنسی فارمولوں کی طرح اُصول و ضوابط مقرر نہیں کیے جا سکتے اور نہ ہی ایسے اُصول جن پر چلنا روزنامچہ نویس کے لیے لازم ہو۔ روزنامچہ نگار پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ وہ اس میں غیر ضروری باتیں تحریر نہ کرے یا دلچسپی کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ کیونکہ روزنامچے میں مصنف اپنی سوچ، میلانِ طبع، صلاحیتوں، نظریات اور افکار کی روشنی میں کچھ بھی تحریر کرنے کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ ڈائری چونکہ چھپوانے کی غرض سے تو لکھی نہیں جاتی اس لیے مصنف اس میں اپنی ہر اہم و غیر اہم بات، شعور و احساس، حتیٰ کہ لطیف اشارے کو بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا اختیار رکھتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں اظہارِ حقیقت،اور دلچسپی کے ساتھ ہی برجستگی بنیادی اہمیت کے حامل عناصر ہیں۔ اس صنف کی پرکھ کے حوالے سے مسعود مفتی رقمطراز ہیں:

''اس صنف کے پرکھ کے معیار دوسری اصناف سے قدرے مختلف ہیں۔ وہاں اسلوب، پلاٹ اور کردار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، مگر ڈائری میں بے ساختگی کا مقام بنیادی ہے۔ اسلوب کا مقام ثانوی ہے۔ پلاٹ کا یکسر کوئی مقام نہیں اور کردار کا مقام زیادہ تر ڈائری نویس کے دیدہ و دِل میں ہوتا ہے۔ جو ڈائری ہنگامی حالات میں لکھی گئی ہو اُس میں بے ساختگی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ عینی شاہد کا بیان ہوتا ہے۔ جو اسلوب کی بجائے سچائی کا تابع ہوتا ہے۔''۱۶

حقیقی زندگی کی ترجمانی اگر کسی صنفِ ادب میں خالصتاً ممکن ہے تو وہ روزنامچہ نگاری ہی ہے۔ دیگر اصنافِ ادب میں ذاتی نمائش، بہترین ادبی اسلوب، چاشنی زبان و بیان، اخلاقی پہلوؤں غرض ہر اونچ نیچ کا خیال رکھا جاتا ہے جبکہ روزنامچے کی مخصوص ہیئت نہ ہونے کے

باعث اس میں ہر جذبے کی تسکین، ہر خیال کی پرواز اور ہر احساس کی جھلک نمایاں طور پر بلا خوف و خطر دکھائی جا سکتی ہے۔

جہاں تک تکنیک کا تعلق ہے تو روزنامچے میں زیادہ تجربات کی گنجائش نہیں ہے۔ ابتدائی اور قدیم روزنامچے بیانیہ تکنیک میں لکھے گئے ہیں۔ آج کا جدید روزنامچہ بھی اسی انداز سے تحریر کیا جا رہا ہے۔ ڈائری میں طوالت اور اختصار کا بھی کوئی اُصول متعین نہیں ہے۔ ہر شخص کی قوتِ تحریر اور ذوق سلیم پر منحصر ہے کہ کس طرح وہ اپنے قلم کے ذریعے قلبِ مضطرب کو مطمئن کر تا ہے۔ سیدضمیرجعفری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''ابتدا میں جب فرصت اور ہمت وافر تھی۔ ڈائری لمبی لکھی جاتی۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی، ڈائری سکڑتی گئی۔ شروع میں کئی برس تک؛ پولیس تھانوں کے روزنامچوں کے تن و توش کا رجسٹر اس کاروائی کا تختہ مشق رہا۔ بعد میں ہر سال کے لیے علیحدہ علیحدہ ڈائری۔ اس روگ کو سینے سے لگائے رکھنے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس نگارش سے شاید میرے ادبی چسکے کی تسکین ہوتی ہے ورنہ
>
> ؎ ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے''؎۱۷

روزنامچہ البتہ تاریخ وار لکھا جاتا ہے جو حقیقت اور سچائی کا بہترین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کا بہترین عکاس ہوتا ہے اور تحقیقی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

روزنامچے کے فکری رویوں میں اظہارِ ذات یعنی خودکلامی سے ہم کلامی تک کا فکری سفر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈائری مصنف کے شعور اور لاشعور میں بسنے والے لطیف احساسات و جذبات کا برملا اظہار ہوتی ہے اور جس ماحول میں تخلیق کار کی ذہنی و تخلیق تربیت ہوتی ہے اُس تک پہنچنے کا مستند ذریعہ ہوتی ہے۔ اپنی ذات کے ہر پہلو کو سپردِ قلم کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ واقعاتِ زیست کو بیان کرنے کے لیے جراتِ رندانہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ روزنامچہ نگار اِسی جرات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تلخ و شیریں واقعات کو سچائی اور ایمانداری سے بیان کرتا ہے۔ قرآنی فیصلہ ہے کہ اپنی ذات کے حوالے سے خود انسان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ سورۃ القیامۃ کی آیت نمبر ۱۴ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗO

> ترجمہ: ''بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے۔ اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں سب لا ڈالے۔''؎۱۸

قرآن مجید کی اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انسان خود ہی فقط اپنے حالات و واقعات کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور اُس کی ذات کے علاوہ کوئی دوسرا اتنے مؤثر انداز سے اُن کے متعلق بیان نہیں کر سکتا۔ مندرجہ بالا آیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے روزنامچہ نگاری کی اہمیت و ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اپنے متعلق انسان خود ہی دیانت، سچائی اور جزئیات کے ساتھ بیان کر سکتا ہے اور اُس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اتنا نہیں جان سکتا۔ روزنامچہ نگاری کے ذریعے روزنامچہ نگار اپنے قلبی محسوسات اور داخلی جذبات و احساسات کو سپردِ قلم کرکے اپنے آپ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس طرح انکشافِ ذات کا ایک مستند ذریعہ بن جاتا ہے اور اِس ضمن میں اس کی اہمیت آپ بیتی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ رانا محمد صفدر روزنامچے کی اس خصوصیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''انکشاف ذات کے اعتبار سے روزنامچہ یعنی آپ بیتی کے قریبی سلسلے کی کڑی ہے۔ خود نوشت، سوانح عمری میں یاداشت یا حافظے کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ روزنامچہ چونکہ روزانہ کی رپورٹ ہوتی ہے اس لیے اس میں اہم واقعات کے چھوٹنے اور ان کے ترتیب وار ہونے میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ آپ بیتی میں ممکن ہے کہ بہت سے اہم واقعات کو حافظے کی کمزوری کی وجہ سے جگہ نہ ملے، یا ناپسندیدہ اور بدمزہ باتین ذہن سے نکل جائیں لیکن روزنامچے میں اس بات کا احتمال نہیں ہوتا۔''؎۱۹

روزنامچے کو مفکرین عہدِ رفتہ کا امین قرار دیتے ہوئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ تصور کرتے ہیں کیونکہ تاریخ کی زندہ جاوید جھلکیاں حقیقی طور پر تو صرف روزنامچے کے ذریعے ہی دکھائی دیتی ہیں۔ دیگر اصناف ادب میں بھی تاریخی واقعات کی عکاسی ہوتی ہے لیکن اُن میں حقیقت کا کتنا عمل دخل ہے اس بات کا اندازہ لگانا ممکن نہیں، جبکہ روزنامچہ نگاری کے توسط سے واقعات کی سچائی نعمتوں کے حصول اور ثمرات کے ساتھ عبرت انگیز انجام کا مشاہدہ واقعتا کیا جا سکتا ہے۔ نذرصابری صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں :

''ڈائری حقیقتاً یادِ رفتہ کی امین ہوتی ہے ----- ڈائری اس شخص کی رہین ہے جو ہم اس کے دامن میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر ہم اس کی جھولی میں یادِرفتہ کے لعل و جواہر ڈالتے ہیں تو اس کے ان جواہر کا امین ہونے میں کیا کلام۔ ۵۰ سال کے بعد ان یادوں کو دیکھو گے تو ان کو ہوا نہیں پاؤ گے۔ ان یادوں کے کیا فائدے ہیں یہ مضمون اتنا وسیع ہے جتنی خود زندگی۔ ڈائری میں اپنا محاسبہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ مشاہدات، تاریخ کا حصہ ہو سکیں گے اور تجربات سفررنج کا باب بن سکیں گے۔ خامیوں کا تذکرہ وہیں عبرت ہو گا اور خوبیوں کا ذکر واقعتا نعمت یک محدث کے ذیل میں آئے گا۔ بچے پڑھیں گے تو ایک رابطہ پائیں گے۔ خود پڑھے گا تو ممکن ہے اچھے ایام میں ہو اور خدا کا شکر اور زیادہ بجا لائے اگر خدانخواستہ برعکس ہوا تو پشیمانی کی دولت اور احساسِ زیاں کا سرمایہ ہاتھ آنے کی امید ہے۔''۲۰

روزنامچہ کسی بھی ادیب کی داخلی اور خارجی زندگی کے تمام پہلوؤں کا پتہ لگانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ کسی ادیب کی ذاتی زندگی کے ہر پہلو اور خارجی زندگی کے ہر عمل کے مطالعے سے اُن کی دیگر تخلیقات کو سمجھنے اور پرکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ روزنامچہ خود کلامی کی اعلیٰ ترین شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے خالد جامعی لکھتے ہیں:

''روزنامچہ دراصل خلوت ہے لیکن جلوت کے عیب سے خالی ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں روزنامچہ نگار کی شخصیت اس سے ہم کلام ہوتی ہے۔ یہ خودکلامی کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ جس کے ذریعے روزنامچے کے مباحث اور متن کے ذریعے بے شمار لوگ نہ صرف خودکلامی کی کیفیت کا صدیوں بعد بھی نظارہ کرتے ہیں بلکہ خودکلامی کا عہد بن جاتے ہیں اور اس عہد میں اپنے آپ کو چلتا پھرتا محسوس کرتے ہیں، جو تاریخ کے دریچوں میں ہمیشہ کے لیے کھولا گیا ہے اور جس کی قیامت صبحِ قیامت بھی ممکن نہیں۔''۲۱

روزنامچے میں روزنامچہ نگار اپنی ذات سے مخاطب ہوکر اپنے دل کے راز افشا کرتا ہے۔ ایسے راز جن کی وہ کسی دوسرے کو بھنک بھی نہیں پڑنے دیتا۔ لیکن صدیوں بعد یہ ہم کلامی ہمارے سامنے تاریخ کے در وا کر کے روزنامچہ نگار کی شخصیت کو بے نقاب کر دیتی ہے۔

روزنامچہ نگاری کی بنیادی خصوصیات میں برجستگی، بے لوثی، سچائی، دلچسپی، شگفتگی، بے ساختگی اور زیرک نگاہی کو اہمیت حاصل ہے۔ اِن عوامل کی روشنی میں تحریر کردہ روزنامچہ اپنے مصنف کی فکر اور فن کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اُس کی باطنی کیفیات، رُجحانات، میلانات، نفسیات، خوبیوں اور خامیوں کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں صرف تاریخ وار واقعات کا بیان ہی فنی اعتبار سے کافی نہیں ہے بلکہ واقعات کی سچائی اور معمولی جزئیات تک رسائی بھی از حد ضروری ہے۔ سید ضمیر جعفری ڈائری لکھنے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''ڈائری لکھتے وقت آدمی ''بادشاہ'' ہوتا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ ''بادشاہت کے خمار'' یا رواداری بلکہ حالات، اپنی آگہی کی کم مائیگی اور تحریر کے ''غیرذمہ دارانہ بہاؤ'' میں شخصیت پر کوئی ''سایہ'' یا ''خراش'' آ گئی ہو یا کسی واقعے کی صحت مجروح ہو گئی ہو تو میں عفو کا خواستگار ہوں۔''۲۲

ڈائری لکھنا فطرتِ انسانی کا تقاضا ہونے کے علاوہ نفسیاتی ضرورت بھی ہے۔ جو پہلے روزنامچہ نگار کی جذباتی تسکین کا باعث بنتی ہے اور بعد میں تہذیبی و تاریخی ورثے کی حیثیت

کا روپ دھار لیتی ہے۔ کیونکہ ہر عہد کا ادیب اپنے عہد کے ثقافتی ورثے سے متاثر ہو کر عروج و زوال کی داستانیں رقم کرتا ہے اور اپنے عہد سے آنے والے دور کے لوگوں کو متعارف کرانے کی سعی کرتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ادیب معاشرے کا سب سے ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ کوئی محسوس کرے یا نہ کرے لیکن ادیب ہر لمحہ کو ہر واقعہ کو صحیح پس منظر میں سب سے پہلے سمجھ لینے کی صلاحیت اور قوت رکھتا ہے۔ اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانا اور روشنی دکھانا اس کا فرض ہوتا ہے۔''۲۳

روزنامچہ نگار بھی اپنا احوال بیان کرتے ہوئے لازماً اپنے ماحول کا تذکرہ کرتا ہے۔ معاشرتی اقدار و قیود اور رسوم و رواج کی پاسداری کے متعلق بھی قلم اٹھاتا ہے۔ اگرچہ ہر روز روزنامچہ تحریر کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن اُس میں زمانی تسلسل کو برقرار و مدِنظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ اس طرح ایک عہد کی مستند تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ یوں یہ نجی دستاویز ہونے کے باوجود تہذیبی و ثقافتی روایات و اقدار کی بخوبی عکاسی کرتا ہے۔ اِس حوالے سے خالد جامعی لکھتے ہیں:

> ''روزنامچے میں ہم کسی بھی عہد کی روزانہ زندگی کے معمولات، اس میں برپا تغیرات کی جھلک صدیوں بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ روزنامچوں کے ذریعے صدیوں پہلے گزرے ہوئے زمانے کی معمولی باتیں، جزئیات کی تفصیل، نہایت باریک بینی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ علم بشریات اور عمرانیات و سماجیات کے ماہرین کے لیے اِن روزنامچوں کے بغیر ماضی کا عملی تجزیہ ممکن نہیں۔''۲۴

اسی طرح ہر ادیب و مصنف کسی نہ کسی طرزِ احساس کا حامل ہوتا ہے۔ طرزِ احساس سے مراد وہ عوامل ہوتے ہیں جو ادیب کو اپنے معاشرے کی سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ادبی صورتِ حل سمجھنے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مصنف کی معاشرے کے حوالے سے مثبت یا منفی رائے تحریروں کے ذریعے اجاگر ہوتی ہے۔ جو معاشرے کو تشکیل دینے والے عناصر کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس ضمن میں سید ضمیر جعفری اور مسعود مفتی کے روزنامچے اہمیت کے حامل ہیں۔ اجتماعی طرزِ احساس کے حوالے سے راقمہ نے اپنے تحقیقی مقالے میں تحریر کیا ہے کہ:

> ''روزنامچوں میں ادیب جہاں اپنے عہد اور اپنی ذات کا تذکرہ کرتا ہے وہاں وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ دِن بھر جن لوگوں سے ملتا ہے اُن کی عادات و خصائل کے ساتھ ساتھ اُن کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی روزنامچے میں تحریر کر دیتا ہے۔ کون سا شخص اچھا لگا، کون سا بُرا، کس میں کون سی خوبی ہے اور کون سے فرد میں کیا خامی ہے؟ روزنامچہ نگار اِن باتوں کا ذکر سچائی کے ساتھ روزنامچے میں تحریر کرتا چلا جاتا ہے، کیونکہ یہ روزنامچہ وہ چھپنے کی نیت سے تحریر نہیں کر رہا ہوتا، اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ کل اس کی تحریر منظرِعام پر آ گئی تو اسے بُرا بھلا کہا جائے گا، چنانچہ وہ اس روزنامچے میں اپنے دِل کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے بلا کم و کاست تحریر کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں روزنامچوں کا مطالعہ صرف ادیب کی ذات کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ اس کے اردگرد موجود لوگوں کو بھی قاری سے متعارف کرا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی ادیب یا کسی اور حوالے سے معروف شخصیت کے کئی ایسے پہلو پڑھنے والے کے سامنے آ جاتے ہیں جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں کسی بھی روزنامچے کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔''۲۵

روزنامچوں میں روزنامچہ نگار اپنے تجربات، ذہنی کیفیات اور وارداتِ قلبی کو الفاظ کے لبادے میں بیان کرتا ہے اور اِن جذبات کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور بصیرت اور بصارت کے ملاپ سے ایک بہترین شاہکار منظرِ عا م پر آتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں سادگی، شائستگی، صاف گوئی اور راست گوئی کو جہاں اہمیت حاصل ہے وہیں فطری خلوص کی حیثیت

بھی بنیادی ہے۔ اِن ہی عناصر کی موجودگی میں پائیدار روایات کا حامل ادب تخلیق پاتا ہے جس کا حُسن دیگر اصناف کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ روزنامچے کی فنی حدود اور فنی لوازم میں اِن عناصر کے ساتھ ساتھ بیانیہ طرزِ اظہار یعنی مشاہدہ، مطالعہ، واقعہ یا قصہ کا ترتیب وار بیان بھی شامل ہے۔ بیانیہ طرزِ تحریر میں چونکہ ہر قسم کا تجربہ جائز ہے اس لیے روزنامچہ نگاری میں بیانیہ طرزِ اظہار کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ گوپی چند نارنگ"ساختیات، پس ساختیات، مشرقی نظریات" میں بیانیہ کی تعریف خوبصورت انداز میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیانیہ ہی سے معاشرتی کوائف و روابط، نیک و بد، صحیح و غلط کی پہچان اور ثقافتی رویوں کے معیار طے ہوتے ہیں۔ بیانیہ نہ صرف کسی بھی معاشرے میں انسانی رشتوں کے نظم و ربط کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ فطرت اور ماحول سے انسان کے روابط کا بھی مظہر ہوتا ہے کسی بھی معاشرے میں حسن، حق اور خیر کے معیار اس سے طے ہوتے ہیں اور عوامی دانش و حکمت بھی اسی سرچشمے کی دین ہیں۔ مختصر یہ کہ کسی بھی ثقافت میں معاشرتی کوائف و ضوابط اور معاشرتی رویوں کی تشکیل و تہذیب جس سرچشمہ فیضان سے ہوتی ہے وہ بیانیہ ہے۔''۲۶

انسانی فطرت چونکہ فطرتی جذبات و احساسات سے گندھی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس میں ڈرامائی عناصر کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں۔ لطیف اور جذباتی لمحات کا بیان روزنامچے کا خاصہ ہے جنھیں روزنامچہ نگار ڈرامائی انداز میں بیان کرتا ہے۔ انسانی زندگی کو پرکھا جائے تو گوناگوں واقعات سے بھرپور نظر آئے گی۔ روزنامچے میں مصنف اپنی زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اُٹھاتا ہے اور قاری ایک کے بعد ایک واقعہ تجسُّس کے مارے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ابنِ انشاء ''آوارہ گرد کی ڈائری'' میں ڈرامائی انداز اور تجسُّس کے امتزاج سے مزاح کی کیفیات کچھ اس طرح پیدا کرتے ہیں:

''دوسرا واقعہ جو مرزا نسیم بیگ کے ساتھ گزرا۔ نسبتاً زیادہ سنگین تھا۔ یہ ۹۵ وکٹر ہیوگو ایونیو پر رہتے تھے۔ ایک روز شام بیگم کے ساتھ باہر نکلے۔ چابی اندر ہی بھول گئے۔ دروازہ اس قسم تھا کہ جو بند تو خودبخود ہو جاتے ہیں لیکن کھلتے چابی سے ہیں۔ واپسی رات کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے ہوئے۔ جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو چابی ندارد۔ کریں تو کیا کریں۔ نیچے ڈیوڑھی میں ایک بڑی بی رہتی تھیں۔ ان سے عرضِ حال کیا۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتی تھیں سمجھ گئیں۔ اور اُن کو مشورہ دیا کہ فائربریگیڈ کے دفتر جاؤ، اُن کے پاس ہی سیڑھیاں ہوتی ہیں، اُن کی مدد سے کوئی شخص باورچی خانے کے روشندان میں گھس کر اندر سے کنڈی کھول دے گا۔ آسان سی بات ہے۔

فائر بریگیڈ کا دفتر پچھواڑے ہی میں تھا، اُنھوں نے وہاں جا کر مافی الضمیر سمجھانے کی کوشش کی۔ ایک دو لفظ فرنچ کے، کچھ انگریزی، باقی اشارے، وضاحت کے لیے چٹ پر گھر کا پتا لکھا ''۹۵ وکٹر ہیوگیو ایونیو''۔ داروغہ صاحب نے اسے دیکھتے ہی سیٹی بجا دی، اور ایک بٹن دبا دیا۔ پھاٹک خودبخود کھل گیا، اور دو فائربریگیڈ کے انجن باہر نکل پڑے، فائر مین پہلی منزل پر چوکس بیٹھے تھے۔ ان کو حکم رہتا ہے کہ سیڑھی یا لفٹ کا انتظار مت کرو، جونہی حکم ملے، پانی کے پائپ سے ہی پھسل کر نیچے آ جاؤ۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک نے نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ مرزا صاحب کو صورتِ حال کا احساس ہوا، بھاگے بھاگے اُن کے پاس گئے، اُن کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ لیکن جس کو روکتے وہ اُن کا ہاتھ ایک طرف ہٹا دیتا تھا اور کہتا ''۹۵ وکٹر ہیوگو ایونیو''۔ یعنی یہ کہ تمھارے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ہمیں گھر کا پتہ معلوم ہے۔ دیکھتے دیکھتے وہ انجنوں پر سوار گھنٹیاں، گھنٹے بجاتے روانہ ہو گئے۔ اُن کے شور سے سارے محلے میں جاگ ہو گئی۔ اور لوگ چونک کر کھڑکیوں میں جھانکنے لگے کہ کیا اُفتاد آن پڑی ہے۔ بعضوں نے فائربریگیڈ دیکھ کر فرض کر لیا کہ آگ لگی ہے اور شور مچانا اور دھڑا دھڑ باہر چھلانگیں لگانا شروع کر

دیا۔ ایک فائر مین نے اُن کے فلیٹ کی کھڑکیوں پر پانی کا تڑیڑا بھی دینا شروع کر دیا۔ اور دوسرا کلہاڑا لے کر اوپر چڑھ گیا۔ لیکن آگ نہ دھواں۔ کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ ہجوم میں ایک صاحب انگریزی دان بھی تھے، اُن کو مرزا صاحب نے بتایا کہ چابی اندر رہ گئی ہے۔ فقط اُس کو نکالنا ہے۔ اُن سے کہیے کہ اتنے کھڑاگ کی ضرورت نہیں۔ فقط ایک آدمی اندر گھس کر دروازہ کھول دے، بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ لوگ بکتے جھکتے چلے گئے۔ اور رپورٹ کی کہ اُن صاحب کے ہاں تھا کیا جسے آگ لگتی۔ ناحق غلط اطلاع دے کر ہمارے کام کا نقصان کیا ہے۔ ان سے ہرجانہ لیا جائے۔ بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔''۲۷

اِسی طرح اپنی پر اسرار کیفیات کو سپردِ قلم کرنے کے لیے مصنف کو علامتی ماورائیت کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے۔ روزنامچہ نگار اپنے باطن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے احساسات و جذبات کو من و عن حوالہ قلم کر کے اپنے لاشعور میں چھپے ہوئے خدشات کا اظہار کرتا ہے۔ اختصار سے کام لے کر روزنامچہ نگار اپنا ما فی الضمیر بے ساختگی اور سادگی سے بیان کرتا ہے، جو صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ الفاظ کے چناؤ میں صاحبِ اسلوب کی مہارت اور افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔ کیونکہ سوچ، فکر اور خیال تو آزاد پرندے کی مانند ہوتے ہیں اور لفظ اُن کے سامنے غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس روزنامچہ نگار اپنے مطمعِ نظر کو بیان کرنے کے لیے مادیت و پرکاری کا سہارا نہیں لیتا بلکہ جو سادہ انداز اپناتا ہے وہ اُس کا اسلوبِ نگارش ہوتا ہے۔ روزنامچہ نگاری کا کوئی مخصوص اسلوب نہیں ہے کیونکہ روزنامچہ ایک ذاتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد روزنامچہ تحریر کرتے ہیں۔ جن میں شعرا اور ادباء کے علاوہ صحافی، ڈاکٹر، انجینئر، فوجی افسران و سپاہی حتیٰ کہ مزدور بھی شامل ہیں تو ہر شخص اپنے مطمعِ نظر کو بیان کرنے کے لیے مختلف اندازِتحریر اپنائے گا اور اپنے اپنے ذخیرۂ الفاظ اور دائرۂ اختیار کے اندر رہتے ہوئے اپنا الگ اسلوب ترتیب دے گا۔ پس اِن حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ روزنامچہ نگاری کا کوئی مخصوس اسلوب متعین نہیں ہے اور ہر روزنامچہ نگار اپنی عقل و فہم، ادراک، شعور، ذہنی سطح، تعلیم اور ماحول کے مطابق اپنا نقطۂ نظر کسی بھی اسلوب میں واضح کر سکتا ہے۔

روزنامچہ نگاری کے مختلف مباحث پر تبصرہ کرنے کے بعد یہ حقیقت منظرِ عام پر آتی ہے کہ یہ ایسی صنفِ ادب ہے جس کے ذریعے کسی بھی روزنامچہ نگار کی ذات، خاندان، مشاغل، تعلیمی قابلیت، ذہنی استعداد، قلبی محسوسات، سماجی شعور، عادات و اطوار اور ذہنی و نفسیاتی کیفیات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اُس کی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی ممکن ہوتی ہے۔ آزاد اور فطرتی اندازِ بیان اور اسلوبیاتی پابندیوں سے مبرا روزنامچوں میں حقیقی زندگی کی تصویر کشی کی جاتی ہے جس سے سماجی رویوں کی خوبصورتی اور بدنمائی کا احساس بھی ہوتا ہے اور فردِ واحد کی اندرونی کشمکش اور روحانی تسکین کا ادراک بھی۔ ساتھ ہی اندرونی خلفشار کے مقابلے میں کیے گئے بیرونی خطرات سے نبردآزما ہونے کے لیے کی گئی کاوشوں کا پتہ بھی چلتا ہے اور انسانی ذہن کے ارتقاء اور روزنامچہ نگار کی شخصیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ یوں روزنامچہ ادیب کی شخصیت اور اُس کے عہد کی روایات کا امین، عصری شعور کا عکاس اور اجتماعی طرزِ احساس کا ضامن بھی ہوتا ہے۔ جس کے باعث کامیاب لوگوں کی زندگی کی کہانی پڑھ کر کامیابی حاصل کرنے کی لگن اور ہمت پیدا ہوتی ہے اور ناکامیوں سے سبق سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ غرض روزنامچہ نگاری ایسی صنفِ ادب ہے جس سے انسانی فطرت کی درست عکاسی کافی حد تک ممکن ہوتی ہے اور یہ معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) احمد دہلوی، سید: مولوی؛ *فرہنگ آصفیہ*؛ جلد اول؛ لاہور؛سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۱۹۸۶ء۔ص ۳۸۳۔
(۲) وارث سرہندی: *علمی اُردو لغت*؛ لاہور؛علمی کتب خانہ؛ ۱۹۷۳ء۔ ص ۸۳۰۔
(۳) نورالحسن، نیر کاکوروی: *نور اللغات*؛ جلد سوم؛کراچی؛ جنرل پبلشنگ ہاؤس۔ص ۲۱۷۔

(۴) حسن عمید: *فرہنگ عمید*؛ ایران؛ موسہ انتشارات امیر کبیر؛۱۳۸۱ھ ص ۲۶۹۔
(۵) ابراہیم مصطفی: *المعجم الوسیط؛ مجمع اللغۃ العربیہ بالقاھرہ*؛ الناشر دار الدعوۃ؛ س۔ ن۔ ص ۳۱۴/۱۔
(۶) حمد مختار: عبدالحمید عمر؛ *معجم اللغۃ العربیہ المعاصرہ*؛ الطبقۃ الاولیٰ؛ الناشر عالم الکتب؛ ۲۰۰۸ء۔ص ۸۱۶/۱۔
(8) Oxford Online Dictionary, URL: oxforddictionaries.com/definition/english/diary .
(۸) محمد رفیق خاور: *اردو تھیسارس*؛ اسلام آباد؛ مقتدرہ قومی زبان؛ طبع چہارم؛ ۲۰۱۲ء۔ ص ۲۵۶۔
(۹) عطش درانی، ڈاکٹر: *اردو اصناف کی مختصر تاریخ*؛ لاہور؛ مکتبہ لائبریری؛ بار دوم؛ ۱۹۸۶ء۔ ص۱۵۱۔
(۱۰) صبیحہ انور، ڈاکٹر: *اُردو خودنوشت سوانح حیات*؛ لکھنؤ؛نامی پریس؛ ۱۹۸۳ء۔ص ۱۲۹۔
(۱۱) پریم چند، منشی: صدارتی خطبہ؛ مشمولہ *روشنائی*؛ از سجاد ظہیر؛ لاہور؛مکتبہ اُردو؛ ۱۹۵۶ء۔ص ۱۰۲۔
(۱۲) ابوذر عثمانی: *اسالیب نثر*؛ پٹنہ؛تعلیمی مرکز؛ ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۷۱۔
(۱۳) *تینتیس* ۳۷ (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵ء۔ ص ۱۵۱۔
(۱۴) ضمیرجعفری، سید: *ضمیرحاضرضمیرغائب*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۷۸ء۔ص ۷۔
(۱۵) شبلی نعمانی، مولانا: *مقالاتِ شبلی*؛ جلد چہارم۔ نورالدین جہانگیر: ؛ص۲۱۷۔
(۱۶) مسعود مفتی: *لمحے*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۹۵ء۔ص ۸۔
(۱۷) ضمیرجعفری، سید:*ضمیرحاضرضمیرغائب* ؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۷۸ء۔ص ۸۔
(۱۸) *القران* :سورۃ القیٰمۃ؛ آیت نمبر ۱۴۔
(۱۹) محمد صفدر، رانا، ادا: *اردو آپ بیتی کی تاریخ*؛ غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مملوکہ شعبۂ اردو؛علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ اسلام آباد؛ ۱۹۹۸ء۔ ص ۱۶۳۔
(۲۰) نذر صابری۔غیر مطبوعہ ڈائری؛ اگست ۱۹۷۲ء۔
(۲۱) *تینتیس ۳۷* (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵۔ص ۶۔
(۲۲) ضمیرجعفری، سید: : *پہچان کا لمحہ*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۲۰۰۲ء۔ص ۶۔
(۲۳) جمیل جالبی، ڈاکٹر: *ادب، کلچر اور مسائل*؛ کراچی؛ رائل بک کمپنی ۱۹۸۲ء۔ ص ۲۸۔
(۲۴) *تینتیس ۳۷* (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵ء۔ ص ۵۔
(۲۵) فرزانہ کوثر ملک؛ *اردو کے منتخب روزنامچوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ*؛ غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل؛ مملوکہ شعبۂ اردو؛ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ اسلام آباد؛ ۲۰۱۱ء۔ص ۱۲۔
(۲۶) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر: *ساختیات، پس ساختیات، مشرقی نظریات*؛ دہلی؛قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان؛ ۱۹۹۴ء۔ص ۷۸۳۱۔
(۲۷) ابن انشاء: *آوارہ گرد کی ڈائری*؛ مکتبہ دانیال؛ کراچی؛ ۱۹۷۴ء۔؛ ص۵۔

روزنامچہ نگاری کے مباحث

فرزانہ کوثر ملک

Abstract:

Diary writing is a very ancient genre in all literatures as well as in Urdu. In a diary a writer describes not only the events, incidents and reflections of his/her personal life but it also reflects the social, political and cultrual scenario of that particulr area and period. In this way, a diary is very important to have literary and historical record of a writer and society.

روزنامچہ نگاری کی تاریخ اُردو ادب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ روزنامچے میں مصنف اپنے شب و روز کے معمولات اور قلبی جذبات و احساسات کو سپردِ قلم کرتا ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف اُس کی ذاتی زندگی سے آگاہی ہوتی ہے بلکہ اُس کے عہد کے معاشرتی، سیاسی، تہذیبی و ثقافتی اور ادبی و لسانی ،اُن پہلوؤں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جن سے اُس کی فکر کی نشوونما ہوئی۔ روزنامچہ دراصل کسی واقعے کے رُونما ہونے کے بعد چشم دید گواہ کا فوری بیان ہوتا ہے جسے من و عن بیان کر دیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے ''فرہنگِ آصفیہ'' میں روزنامچے کا مفہوم اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

> ''ف۔ اسم مذکر۔ سیاپا۔ ہر روز کا حساب کتاب لکھنے کی بیاض۔ وہ بہی جس میں روز روز کا حساب کتاب یا احوال لکھا جائے۔ روزانہ رپورٹ۔ روزانہ اطلاع۔ چٹھا۔ کھاتہ۔ کچا چٹھا۔''ے۱

روزنامچے میں روزنامچہ نگار اپنے احساسات و جذبات ، خارجی واقعات پر تاثرات اور زندگی کے تلخ و شیریں حقیقتوں کی جھلکیاں تاریخ وار رقم کرتا ہے۔ روزنامچے کا خاص موضوع یا عنوان نہیں ہوتا بلکہ اس میں دِن بھر کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

وارث سرہندی ''علمی اُردو لغت'' میں روزنامچے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''(ف۔ مذ) وہ کتاب جس میں ہر روز حال لکھا جائے۔ وہ بہی جس میں روزانہ کا حساب کتاب درج ہو۔ پولیس کا رجسٹر، جس میں جرائم، مقدمات اور پولیس کی دیگر کاروائیاں وقت وار تحریر کی جاتی ہیں۔''ے۲

نور اللغات میں اِسی حوالے سے مولوی نور الحسن نیرّ روزنامچے کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''روزنامچہ (ف) مذکر۔ وہ کاغذ جس میں ہر روز کا حال یا ہر روز کا حساب لکھا جائے۔ جنازے میں حسرت کا کاندھا دیے۔ ہر اِک مُردے کا روزنامہ ہے۔ وہ کاغذ جس میں پٹواری ہر روز کا کام لکھتا ہے۔ پولیس کی روزانہ کاروائی اور تحقیقات کی رپورٹ۔ معنی نمبر ۲ میں روزنامچہ ہی مستعمل ہے۔''ے۳

اِن مطالب کی روشنی میں روزنامچے کی ادبی سطح کے علاوہ اس کا تعلق بعض پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے زمرے میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ پٹواری زمینوں کی پیمائش یا اراضی کی مختلف کیفیات اپنے رجسٹر میں تحریر کرتا ہے تو وہ بھی روزنامچہ ہے۔ اور اگر کوئی تھانے کا محرر اپنے علاقے میں وقوع پذیر ہونے والی وارداتوں کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے تو وہ بھی روزنامچہ کہلاتا ہے۔

اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں روزنامچے کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

فارسی لغات میں ''فرہنگِ عمید'' میں روزمامچے کے حوالے سے مؤلف حسن عمید بیان کرتے ہیں:

''روزنامچہ۔ ا۔م۔ رُ۔ز۔مَ ۔ چَ، روزنامہ
بمعنی سرگذشت و شرح احوال و اعمال و وقایع روزانہ و نامہ اعمال ہمہ گفتہ اند۔
(ترجمہ) ''کسی گزرے ہوئے واقعہ کا حال کھول کر بیان کرنا۔ روزانہ پیش آنے والے واقعات کی تفصیل اور وقوع پذیر ہونے کے اسباب تحریر کرنا۔ روزانہ کے اعمال و افعال کا ریکارڈ رکھنا۔''۴

عربی لغت ''المعجم الوسیط'' میں روزنامچے کے حوالے سے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''مُذَكِّرَة'' :دفتر صغير يدون فيه ما يراد تذكره''
ہر وہ چیز جو یاد رکھنا چاہتے ہیں اُسے تحریر کرنا۔''۵

عربی میں اس کے لیے ایک اور لفظ ''مفكرة يوميه'' بھی استعمال ہوتا ہے یعنی ہر روز کی یاداشتیں تحریر کرنے کا روزنامچہ۔۶

انگریزی لغات میں Oxford Online Dictionary کے مطابق:

''Diary: (1) A book in which one keeps a daily record of events and experiences. (2) A column in a newspaper or magazine giving news or gossip on a particular topic. E.g. the City Diary (2) [British] A book with spaces for each day of the year in which one notes appointments or information.'' (8)

اسی طرح محمد رفیق خاور ''اُردو تھیسارس'' میں روزنامچے کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ڈائری، روزنامچہ: رپورٹ، یاداشت، فال نامہ، تصدیق نامہ، میڈل، تمغہ----- بیاض، گوشواری، وزٹر بک----- کیلنڈر/جنتری، روزنامچہ، ڈائری، لاگ، لاگ بک، جرنل، لیجر، کیش بک، رسید، سند، نامہ اعمال، زائچہ، یاداشت وغیرہ۔''۸

اصطلاح میں روزنامچہ سے مراد روزمرہ پیش آمدہ واقعات، معمولات و حالات کو اختصار کے ساتھ سپردِ قلم کرنا ہے۔ علاوہ ازیں روزنامچے میں صرف روزنامچہ نگار کی ذات کی عکاسی نہیں ہوتی بلکہ روزنامچہ نگار کے عہد کی تاریخی، سماجی، سیاسی اور فکری رُجحانات و حالات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ روزنامچہ عام طور پر دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ ایک ہر روز کے تمام واقعات خواہ وہ اہم ہوں یا نہ ہوں اُن کو ضبطِ تحریر میں لانا اور دوسرا اہم دنوں کے یادگار واقعات کو تحریر کرنا ۔ڈاکٹر عطش دُرانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ڈائری عام طور پر ذاتی یاداشتوں پر مشتمل ہوتی ہے ان سے کسی دور کی علمی، ادبی، سیاسی، ثقافتی سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بعض لوگ سفرنامے اور جنگوں کے حالات بھی ڈائری کی صورت میں لکھتے ہیں۔''۹

روزنامچہ نگاری میں سادگی اور بے ساختگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جن کی بدولت قارئین کی زندگی کی حقیقی سچائیوں تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ روزنامچے میں مرکزی کردار مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ روزنامچہ حقائق کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ اردات و مشاہدات کا عکاس ہوتا ہے۔ روزنامچے میں تحریر کیے جانے والے واقعات میں تسلسل برقرار رکھا جاتا ہے جو انسانی شخصیت کا ازسرِ نو جائزہ لینے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ روزنامچہ نگار اپنے تجربات و احساسات کو الفاظ کے پیراہن میں ڈھال کر اپنا ما فی الضمیر بیان کرتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صبیحہ انور لکھتی ہیں:

''روزنامچے میں روزانہ حالات و واقعات، جو لکھنے والے کے مشاہدے یا علم میں آتے ہیں، قلم بند کیے جاتے ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہی ہے کہ یہ ذاتی تاثرات کو جبکہ وہ ابھی تازہ ہی ہوتے ہیں قلم بند کرکے ایک نعمت غیر مترقبہ کے طور پر محفوظ کر لیتے ہیں اور تجربات ما بعد کی روشنی میں ان کے از سر نو جائزے کا موقع دیتے ہیں۔''۱۰

روزنامچہ نگار روزنامچے میں اپنی زندگی کی تلخیوں، ناکامیوں، محرومیوں کے علاوہ اپنی کامیابیوں اور خوشیوں کا بھی برملا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح یہ ڈائری یا روزنامچہ اُس کے لیے تحلیلِ نفسی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ حساس انسان عرفانِ ذات کے بعد اپنا ہر خیال، سوچ، نظریہ یا احساس کسی دوسرے سے کہ کر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اُسے ایسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اُس کے احساس، خیال یا نظریے کو اسی نظر سے پرکھے جس طرح وہ خود محسوس کرتا ہے۔ اس طرح روزنامچہ نگار ڈائری کو اپنے رازوں کا امین بنا دیتا ہے اور ڈائری اپنے مصنف کی ہر بات پر لبیک کہتے ہوئے اُس کے اندر ایسے اوصاف پیدا کر دیتی ہے جو کہ پریم چند کے بقول ہر ادیب کے اندر ہونے بے حد ضروری ہیں ورنہ وہ ادب تخلیق نہیں کر سکتا۔ پریم چند کے بقول :

> ''جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے، ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہوا، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات میں فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے، وہ آج ہمارے لیے بے کار ہے، اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔''ے۱۱

چنانچہ روزنامچہ ایسی صنفِ ادب ہے جس میں روزنامچہ نگار کا ایمان سچائی ہوتی ہے۔ واقعات کو قطعیت سے بیان کرنے کی صلاحیت اور جراتِ اعتراف کا اعلیٰ انسانی معیار بھی روزنامچے کی خصوصیت ہے۔ تحریر سے انسان کی شخصیت کے نکھار اور سوچ کے زاویوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ پس روزنامچہ اپنے اندر سماجی و ثقافتی رُجحانات، معاشرتی میلانات اور افکار و عقائد کی جھلکیاں بھی پیش کرتا ہے۔ ابوذر عثمانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ڈائری یا روزنامچہ اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کے روزمرہ کے تجربات اور مشاہدات کا بیان ہو اور اسے تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہو۔ اس میں اُن سارے اہم اور غیر اہم، چھوٹے اور بڑے، معمولی اور غیر معمولی واقعات کا بیان ہوتا ہے جو کسی شخص کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ بہ ظاہر یہ واقعات نجی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر ان میں بالواسطہ عام زندگی کے حالات اور کوائف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔''ے۱۲

روزنامچے شائع کرنے کی نیت سے نہیں لکھے جاتے۔ روزنامچہ نگار اپنے قلبی محسوسات اور جذباتی احساسات کو اس یقین کے ساتھ لکھتا ہے کہ یہ کسی اور کی نظر میں نہیں آئیں گے اور صرف مصنف کی قلبی تسکین کا باعث ہی بنیں گے۔ اس لیے یہ بے لوث سچائیوں کے امین ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سید خالد جامعی لکھتے ہیں:

> ''روزنامچہ نگار اپنا روزنامچہ اس یقین کے ساتھ قلمبند کرتا ہے کہ یہ صفحات روئے زمین پر اُس کے سوا کوئی نہیں پڑھے گا۔ لہٰذا روزنامچے ایسے لافانی حقائق، ابدی سچ، بے لوث سچائی، بے چون و چرا صداقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن پر کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا۔''ے۱۳

روزنامچے کا تعلق واقعاتی ادب سے ہے۔ اس میں چونکہ مصنف کا کردار بنیادی نوعیت کا ہوتا ہے، اس لیے دیانت دارانہ اظہارِ رائے کو اس ضمن میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مصنف کی داستانِ حیات سادہ اور رواں انداز میں اسلوبیاتی پیچیدگیوں کو بالائے طاق رکھ کر بیان کردی جاتی ہے۔ ملمع کاری اور تصنع سے گریز کرتے ہوئے روزنامچہ نگار اپنی دلچسپیاں، مصیبتیں، غم، خوشیاں، دل کے نہاں خانوں میں چھپے راز روانی اور لطف کے ساتھ بیان کر دیتا ہے جس سے اُس کا ذہنی رویّہ اور ذاتی اشغال بے نقاب ہوتے ہیں اور اپنے دور کے اہم سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے جس سے روزنامچہ ایک نجی دستاویز کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اُردو ادب میں روزنامچہ نگاری پر زیادہ کام نہیں کیا گیا۔ دورِ جدید میں اس صنف پر خاطر خواہ توجہ دی جا رہی ہے، اور اصطلاحی معنوں میں اس کی ضرورت و اہمیت کا ادراک بعض صاحبِ اسلوب روزنامچہ نگاروں کی باقاعدگی سے اس سے وابستگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ مثلاً سید ضمیر جعفری نے اپنی ڈائری باقاعدگی سے لکھی۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''میں ستمبر ۱۹۴۳ سے قریباً روزانہ ڈائری لکھ رہا ہوں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ شب کو ڈائری لکھ کر ہی بستر پر جاؤں۔ خواہ ایک سطر ہی لکھوں۔ کوئی رت جگا آڑے آئے تو اگلی صبح پہلا کام یہی کرتا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ میرے دماغ میں یہ کیڑا کیوں پیدا ہوا اور میں حیران ہوں کہ مجھ جیسا ''چست'' شخص عرصہ گزشتہ چالیس برس سے اس ''کیڑے'' کی پرورش کیسے کرتا رہا۔ اتنی استقامت کا مظاہرہ میں نے ذاتی زندگی کے کسی معاملے میں شاید ہی کیا ہو۔''۱۴

روزنامچے میں مصنف اپنی زندگی کے واقعات کو سادہ عام فہم انداز میں تحریر کرتے ہوئے تمام تر جزئیات کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ واقعات میں رنگ آمیزی کے برعکس روزنامچہ نگار حقیقت پر مبنی مدلل اور دلچسپ مواد سپردِ قلم کرتا ہے۔ تزکِ جہانگیری مغل بادشاہ جہانگیر کا روزنامچہ ہے، اس کے حوالے سے روزنامچے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی ''مقالاتِ شبلی'' (جلد چہارم) میں لکھتے ہیں:

''تزکِ جہانگیری، اس کا روزنامچہ ہے۔ اس سے وہ تاریخ وار تمام واقعات جو اس کو پیش آتے ہیں اور جن اشغال میں وہ مشغول رہتا ہے، تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ شہادت دیتا ہے کہ کتاب لکھنے والا کسی واقعے میں کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ واقعات پر ملمع سازی کا روغن نہیں چڑھا سکتا۔ وہ عیب بھی کرتا ہے تو ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیتا ہے اور ہنر کا کوئی کام اس کے ہاتھ سے بن آتا ہے تو داد طلب خاموشی اختیار نہیں کرتا بلکہ اعلانیہ فخر کا اعلان کرتا ہے۔''۱۵

جہانگیر کے روزنامچے کی طرح ہی دیگر روزنامچوں کو بھی دلچسپی اور فنی عناصر سے بھرپور ہونا چاہیے جو اپنے اندر ثقافتی احساس، سماجی شعور و تمدنی نظریات، گوناگوں واقعات، حادثات اور تجربات لیے ہوئے ہوں۔

اُردو میں اصنافِ ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا ادراک بخوبی ہوتا ہے کہ دیگر اصنافِ ادب کے مقابلے میں روزنامچہ نگاری پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی اس کی کوئی متعین ہیئت ہے۔ دراصل روزنامچے کی تکنیک میں سائنسی فارمولوں کی طرح اُصول و ضوابط مقرر نہیں کیے جا سکتے اور نہ ہی ایسے اُصول جن پر چلنا روزنامچہ نویس کے لیے لازم ہو۔ روزنامچہ نگار پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ وہ اس میں غیر ضروری باتیں تحریر نہ کرے یا دلچسپی کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ کیونکہ روزنامچے میں مصنف اپنی سوچ، میلانِ طبع، صلاحیتوں، نظریات اور افکار کی روشنی میں کچھ بھی تحریر کرنے کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ ڈائری چونکہ چھپوانے کی غرض سے تو لکھی نہیں جاتی اس لیے مصنف اس میں اپنی ہر اہم و غیر اہم بات، شعور و احساس، حتیٰ کہ لطیف اشارے کو بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا اختیار رکھتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں اظہارِ حقیقت،اور دلچسپی کے ساتھ ہی برجستگی بنیادی اہمیت کے حامل عناصر ہیں۔ اس صنف کی پرکھ کے حوالے سے مسعود مفتی رقمطراز ہیں:

''اس صنف کے پرکھ کے معیار دوسری اصناف سے قدرے مختلف ہیں۔ وہاں اسلوب، پلاٹ اور کردار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، مگر ڈائری میں بے ساختگی کا مقام بنیادی ہے۔ اسلوب کا مقام ثانوی ہے۔ پلاٹ کا یکسر کوئی مقام نہیں اور کردار کا مقام زیادہ تر ڈائری نویس کے دیدہ و دِل میں ہوتا ہے۔ جو ڈائری ہنگامی حالات میں لکھی گئی ہو اُس میں بے ساختگی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ عینی شاہد کا بیان ہوتا ہے۔ جو اسلوب کی بجائے سچائی کا تابع ہوتا ہے۔''۱۶

حقیقی زندگی کی ترجمانی اگر کسی صنفِ ادب میں خالصتاً ممکن ہے تو وہ روزنامچہ نگاری ہی ہے۔ دیگر اصنافِ ادب میں ذاتی نمائش، بہترین ادبی اسلوب، چاشنی زبان و بیان، اخلاقی پہلوؤں غرض ہر اونچ نیچ کا خیال رکھا جاتا ہے جبکہ روزنامچے کی مخصوص ہیئت نہ ہونے کے باعث اس میں ہر جذبے کی تسکین، ہر خیال کی پرواز اور ہر احساس کی جھلک نمایاں طور پر بلا خوف و خطر دکھائی جا سکتی ہے۔

جہاں تک تکنیک کا تعلق ہے تو روزنامچے میں زیادہ تجربات کی گنجائش نہیں ہے۔ ابتدائی اور قدیم روزنامچے بیانیہ تکنیک میں لکھے گئے ہیں۔ آج کا جدید روزنامچہ بھی اسی انداز سے تحریر کیا جا رہا ہے۔ ڈائری میں طوالت اور اختصار کا بھی کوئی اُصول متعین نہیں ہے۔ ہر شخص کی قوتِ تحریر اور ذوق سلیم پر منحصر ہے کہ کس طرح وہ اپنے قلم کے ذریعے قلبِ مضطرب کو مطمئن کر تا ہے۔ سیدضمیرجعفری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''ابتدا میں جب فرصت اور ہمت وافر تھی۔ ڈائری لمبی لکھی جاتی۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی، ڈائری سکڑتی گئی۔ شروع میں کئی برس تک؛ پولیس تھانوں کے روزنامچوں کے تن و توش کا رجسٹر اس کاروائی کا تختہ مشق رہا۔ بعد میں ہر سال کے لیے علیحدہ علیحدہ ڈائری۔ اس روگ کو سینے سے لگائے رکھنے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس نگارش سے شاید میرے ادبی چسکے کی تسکین ہوتی ہے ورنہ

ے ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے''ے۱۷

روزنامچہ البتہ تاریخ وار لکھا جاتا ہے جو حقیقت اور سچائی کا بہترین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کا بہترین عکاس ہوتا ہے اور تحقیقی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

روزنامچے کے فکری رویوں میں اظہارِ ذات یعنی خودکلامی سے ہم کلامی تک کا فکری سفر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈائری مصنف کے شعور اور لاشعور میں بسنے والے لطیف احساسات و جذبات کا برملا اظہار ہوتی ہے اور جس ماحول میں تخلیق کار کی ذہنی و تخلیق تربیت ہوتی ہے اُس تک پہنچنے کا مستند ذریعہ ہوتی ہے۔ اپنی ذات کے ہر پہلو کو سپردِ قلم کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ واقعاتِ زیست کو بیان کرنے کے لیے جراتِ رندانہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ روزنامچہ نگار اِسی جرات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تلخ و شیریں واقعات کو سچائی اور ایمانداری سے بیان کرتا ہے۔ قرآنی فیصلہ ہے کہ اپنی ذات کے حوالے سے خود انسان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ سورۃ القیامۃ کی آیت نمبر ۱۴ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْاَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗO

ترجمہ: ''بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے۔ اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں سب لا ڈالے۔''ے۱۸

قرآن مجید کی اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انسان خود ہی فقط اپنے حالات و واقعات کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور اُس کی ذات کے علاوہ کوئی دوسرا اتنے مؤثر انداز سے اُن کے متعلق بیان نہیں کر سکتا۔ مندرجہ بالا آیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے روزنامچہ نگاری کی اہمیت و ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اپنے متعلق انسان خود ہی دیانت، سچائی اور جزئیات کے ساتھ بیان کر سکتا ہے اور اُس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اتنا نہیں جان سکتا۔ روزنامچہ نگاری کے ذریعے روزنامچہ نگار اپنے قلبی محسوسات اور داخلی جذبات و احساسات کو سپردِ قلم کرکے اپنے آپ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس طرح انکشافِ ذات کا ایک مستند ذریعہ بن جاتا ہے اور اِس ضمن میں اس کی اہمیت آپ بیتی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ رانا محمد صفدر روزنامچے کی اس خصوصیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''انکشاف ذات کے اعتبار سے روزنامچہ یعنی آپ بیتی کے قریبی سلسلے کی کڑی ہے۔ خود نوشت، سوانح عمری میں یاداشت یا حافظے کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ روزنامچہ چونکہ روزانہ کی رپورٹ ہوتی ہے اس لیے اس میں اہم واقعات کے چھوٹنے اور ان کے ترتیب وار ہونے میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ آپ بیتی میں ممکن ہے کہ بہت سے اہم واقعات کو حافظے کی کمزوری کی وجہ سے جگہ نہ ملے، یا ناپسندیدہ اور بدمزہ باتین ذہن سے نکل جائیں لیکن روزنامچے میں اس بات کا احتمال نہیں ہوتا۔''ے۱۹

روزنامچے کو مفکرین عہدِ رفتہ کا امین قرار دیتے ہوئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ تصور کرتے ہیں کیونکہ تاریخ کی زندہ جاوید جھلکیاں حقیقی طور پر تو صرف روزنامچے کے ذریعے ہی دکھائی دیتی ہیں۔ دیگر اصناف ادب میں بھی تاریخی واقعات کی عکاسی ہوتی ہے لیکن اُن میں

حقیقت کا کتنا عمل دخل ہے اس بات کا اندازہ لگانا ممکن نہیں، جبکہ روزنامچہ نگاری کے توسط سے واقعات کی سچائی نعمتوں کے حصول اور ثمرات کے ساتھ عبرت انگیز انجام کا مشاہدہ واقعتا کیا جا سکتا ہے۔ نذرصابری صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں :

''ڈائری حقیقتاً یادِ رفتہ کی امین ہوتی ہے ----- ڈائری اس شخص کی رہین ہے جو ہم اس کے دامن میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر ہم اس کی جھولی میں یادِرفتہ کے لعل و جواہر ڈالتے ہیں تو اس کے ان جواہر کا امین ہونے میں کیا کلام۔ ۵۰ سال کے بعد ان یادوں کو دیکھو گے تو ان کو ہوا نہیں پاؤ گے۔ ان یادوں کے کیا فائدے ہیں یہ مضمون اتنا وسیع ہے جتنی خود زندگی۔ ڈائری میں اپنا محاسبہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ مشاہدات، تاریخ کا حصہ ہو سکیں گے اور تجربات سفررنج کا باب بن سکیں گے۔ خامیوں کا تذکرہ وہیں عبرت ہو گا اور خوبیوں کا ذکر واقعتا نعمت یک محدث کے ذیل میں آئے گا۔ بچے پڑھیں گے تو ایک رابطہ پائیں گے۔ خود پڑھے گا تو ممکن ہے اچھے ایام میں ہو اور خدا کا شکر اور زیادہ بجا لائے اگر خدانخواستہ برعکس ہوا تو پشیمانی کی دولت اور احساسِ زیاں کا سرمایہ ہاتھ آنے کی امید ہے۔''۲۰

روزنامچہ کسی بھی ادیب کی داخلی اور خارجی زندگی کے تمام پہلوؤں کا پتہ لگانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ کسی ادیب کی ذاتی زندگی کے ہر پہلو اور خارجی زندگی کے ہر عمل کے مطالعے سے اُن کی دیگر تخلیقات کو سمجھنے اور پرکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ روزنامچہ خود کلامی کی اعلیٰ ترین شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے خالد جامعی لکھتے ہیں:

''روزنامچہ دراصل خلوت ہے لیکن جلوت کے عیب سے خالی ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں روزنامچہ نگار کی شخصیت اس سے ہم کلام ہوتی ہے۔ یہ خودکلامی کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ جس کے ذریعے روزنامچے کے مباحث اور متن کے ذریعے بے شمار لوگ نہ صرف خودکلامی کی کیفیت کا صدیوں بعد بھی نظارہ کرتے ہیں بلکہ خودکلامی کا عہد بن جاتے ہیں اور اس عہد میں اپنے آپ کو چلتا پھرتا محسوس کرتے ہیں، جو تاریخ کے دریچوں میں ہمیشہ کے لیے کھولا گیا ہے اور جس کی قیامت صبحِ قیامت بھی ممکن نہیں۔''۲۱

روزنامچے میں روزنامچہ نگار اپنی ذات سے مخاطب ہوکر اپنے دل کے راز افشا کرتا ہے۔ ایسے راز جن کی وہ کسی دوسرے کو بھنک بھی نہیں پڑنے دیتا۔ لیکن صدیوں بعد یہ ہم کلامی ہمارے سامنے تاریخ کے در وا کر کے روزنامچہ نگار کی شخصیت کو بے نقاب کر دیتی ہے۔

روزنامچہ نگاری کی بنیادی خصوصیات میں برجستگی، بے لوثی، سچائی، دلچسپی، شگفتگی، بے ساختگی اور زیرک نگاہی کو اہمیت حاصل ہے۔ اِن عوامل کی روشنی میں تحریر کردہ روزنامچہ اپنے مصنف کی فکر اور فن کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اُس کی باطنی کیفیات، رُجحانات، میلانات، نفسیات، خوبیوں اور خامیوں کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں صرف تاریخ وار واقعات کا بیان ہی فنی اعتبار سے کافی نہیں ہے بلکہ واقعات کی سچائی اور معمولی جزئیات تک رسائی بھی از حد ضروری ہے۔ سید ضمیر جعفری ڈائری لکھنے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''ڈائری لکھتے وقت آدمی ''بادشاہ'' ہوتا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ ''بادشاہت کے خمار'' یا رواداری بلکہ حالات، اپنی آگہی کی کم مائیگی اور تحریر کے ''غیرذمہ دارانہ بہاؤ'' میں شخصیت پر کوئی ''سایہ'' یا ''خراش'' آ گئی ہو یا کسی واقعے کی صحت مجروح ہو گئی ہو تو میں عفو کا خواستگار ہوں۔''۲۲

ڈائری لکھنا فطرتِ انسانی کا تقاضا ہونے کے علاوہ نفسیاتی ضرورت بھی ہے۔ جو پہلے روزنامچہ نگار کی جذباتی تسکین کا باعث بنتی ہے اور بعد میں تہذیبی و تاریخی ورثے کی حیثیت کا روپ دھار لیتی ہے۔ کیونکہ ہر عہد کا ادیب اپنے عہد کے ثقافتی ورثے سے متاثر ہو کر عروج و زوال کی داستانیں رقم کرتا ہے اور اپنے عہد سے آنے والے دور کے لوگوں کو متعارف کرانے کی سعی کرتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ادیب معاشرے کا سب سے ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ کوئی محسوس کرے یا نہ کرے لیکن ادیب ہر لمحہ کو ہر واقعہ کو صحیح پس منظر میں سب سے پہلے سمجھ لینے کی صلاحیت اور قوت رکھتا ہے۔ اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانا اور روشنی دکھانا اس کا فرض ہوتا ہے۔''۲۳

روزنامچہ نگار بھی اپنا احوال بیان کرتے ہوئے لازماً اپنے ماحول کا تذکرہ کرتا ہے۔ معاشرتی اقدار و قیود اور رسوم و رواج کی پاسداری کے متعلق بھی قلم اٹھاتا ہے۔ اگرچہ ہر روز روزنامچہ تحریر کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن اُس میں زمانی تسلسل کو برقرار و مدِنظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ اس طرح ایک عہد کی مستند تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ یوں یہ نجی دستاویز ہونے کے باوجود تہذیبی و ثقافتی روایات و اقدار کی بخوبی عکاسی کرتا ہے۔ اِس حوالے سے خالد جامعی لکھتے ہیں:

''روزنامچے میں ہم کسی بھی عہد کی روزانہ زندگی کے معمولات، اس میں برپا تغیرات کی جھلک صدیوں بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ روزنامچوں کے ذریعے صدیوں پہلے گزرے ہوئے زمانے کی معمولی باتیں، جزئیات کی تفصیل، نہایت باریک بینی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ علم بشریات اور عمرانیات و سماجیات کے ماہرین کے لیے اِن روزنامچوں کے بغیر ماضی کا عملی تجزیہ ممکن نہیں۔''۲۴

اسی طرح ہر ادیب و مصنف کسی نہ کسی طرزِ احساس کا حامل ہوتا ہے۔ طرزِ احساس سے مراد وہ عوامل ہوتے ہیں جو ادیب کو اپنے معاشرے کی سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ادبی صورتِ حل سمجھنے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مصنف کی معاشرے کے حوالے سے مثبت یا منفی رائے تحریروں کے ذریعے اجاگر ہوتی ہے۔ جو معاشرے کو تشکیل دینے والے عناصر کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس ضمن میں سید ضمیر جعفری اور مسعود مفتی کے روزنامچے اہمیت کے حامل ہیں۔ اجتماعی طرزِ احساس کے حوالے سے راقمہ نے اپنے تحقیقی مقالے میں تحریر کیا ہے کہ:

''روزنامچوں میں ادیب جہاں اپنے عہد اور اپنی ذات کا تذکرہ کرتا ہے وہاں وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ دِن بھر جن لوگوں سے ملتا ہے اُن کی عادات و خصائل کے ساتھ ساتھ اُن کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی روزنامچے میں تحریر کر دیتا ہے۔ کون سا شخص اچھا لگا، کون سا بُرا، کس میں کون سی خوبی ہے اور کون سے فرد میں کیا خامی ہے؟ روزنامچہ نگار اِن باتوں کا ذکر سچائی کے ساتھ روزنامچے میں تحریر کرتا چلا جاتا ہے، کیونکہ یہ روزنامچہ وہ چھپنے کی نیت سے تحریر نہیں کر رہا ہوتا، اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ کل اس کی تحریر منظرِعام پر آ گئی تو اسے بُرا بھلا کہا جائے گا، چنانچہ وہ اس روزنامچے میں اپنے دِل کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے بلا کم و کاست تحریر کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں روزنامچوں کا مطالعہ صرف ادیب کی ذات کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ اس کے اردگرد موجود لوگوں کو بھی قاری سے متعارف کرا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی ادیب یا کسی اور حوالے سے معروف شخصیت کے کئی ایسے پہلو پڑھنے والے کے سامنے آ جاتے ہیں جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں کسی بھی روزنامچے کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔''۲۵

روزنامچوں میں روزنامچہ نگار اپنے تجربات، ذہنی کیفیات اور وارداتِ قلبی کو الفاظ کے لبادے میں بیان کرتا ہے اور اِن جذبات کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور بصیرت اور بصارت کے ملاپ سے ایک بہترین شاہکار منظرِ عا م پر آتا ہے۔ روزنامچہ نگاری میں سادگی، شائستگی، صاف گوئی اور راست گوئی کو جہاں اہمیت حاصل ہے وہیں فطری خلوص کی حیثیت بھی بنیادی ہے۔ اِن ہی عناصر کی موجودگی میں پائیدار روایات کا حامل ادب تخلیق پاتا ہے جس کا حُسن دیگر اصناف کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ روزنامچے کی فنی حدود اور فنی لوازم میں اِن عناصر کے ساتھ ساتھ بیانیہ طرزِ اظہار یعنی مشاہدہ، مطالعہ، واقعہ یا قصہ کا ترتیب وار

بیان بھی شامل ہے۔ بیانیہ طرزِ تحریر میں چونکہ ہر قسم کا تجربہ جائز ہے اس لیے روزنامچہ نگاری میں بیانیہ طرزِ اظہار کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ گوپی چند نارنگ"ساختیات، پس ساختیات، مشرقی نظریات" میں بیانیہ کی تعریف خوبصورت انداز میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیانیہ ہی سے معاشرتی کوائف و روابط، نیک و بد، صحیح و غلط کی پہچان اور ثقافتی رویوں کے معیار طے ہوتے ہیں۔ بیانیہ نہ صرف کسی بھی معاشرے میں انسانی رشتوں کے نظم و ربط کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ فطرت اور ماحول سے انسان کے روابط کا بھی مظہر ہوتا ہے کسی بھی معاشرے میں حسن، حق اور خیر کے معیار اس سے طے ہوتے ہیں اور عوامی دانش و حکمت بھی اسی سرچشمے کی دین ہیں۔ مختصر یہ کہ کسی بھی ثقافت میں معاشرتی کوائف و ضوابط اور معاشرتی رویوں کی تشکیل و تہذیب جس سرچشمہ فیضان سے ہوتی ہے وہ بیانیہ ہے۔''۲۶

انسانی فطرت چونکہ فطرتی جذبات و احساسات سے گندھی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس میں ڈرامائی عناصر کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں۔ لطیف اور جذباتی لمحات کا بیان روزنامچے کا خاصہ ہے جنھیں روزنامچہ نگار ڈرامائی انداز میں بیان کرتا ہے۔ انسانی زندگی کو پرکھا جائے تو گوناگوں واقعات سے بھرپور نظر آئے گی۔ روزنامچے میں مصنف اپنی زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اُٹھاتا ہے اور قاری ایک کے بعد ایک واقعہ تجسُّس کے مارے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ابنِ انشاء ''آوارہ گرد کی ڈائری'' میں ڈرامائی انداز اور تجسُّس کے امتزاج سے مزاح کی کیفیات کچھ اس طرح پیدا کرتے ہیں:

''دوسرا واقعہ جو مرزا نسیم بیگ کے ساتھ گزرا۔ نسبتاً زیادہ سنگین تھا۔ یہ ۹۵ وکٹر ہیوگو ایونیو پر رہتے تھے۔ ایک روز شام بیگم کے ساتھ باہر نکلے۔ چابی اندر ہی بھول گئے۔ دروازہ اس قسم تھا کہ جو بند تو خودبخود ہو جاتے ہیں لیکن کھلتے چابی سے ہیں۔ واپسی رات کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے ہوئے۔ جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو چابی ندارد۔ کریں تو کیا کریں۔ نیچے ڈیوڑھی میں ایک بڑی بی رہتی تھیں۔ ان سے عرض حال کیا۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتی تھیں سمجھ گئیں۔ اور اُن کو مشورہ دیا کہ فائربریگیڈ کے دفتر جاؤ، اُن کے پاس ہی سیڑھیاں ہوتی ہیں، اُن کی مدد سے کوئی شخص باورچی خانے کے روشندان میں گھس کر اندر سے کنڈی کھول دے گا۔ آسان سی بات ہے۔

فائر بریگیڈ کا دفتر پچھواڑے ہی میں تھا، اُنھوں نے وہاں جا کر مافی الضمیر سمجھانے کی کوشش کی۔ ایک دو لفظ فرنچ کے، کچھ انگریزی، باقی اشارے، وضاحت کے لیے چٹ پر گھر کا پتا لکھا ''۹۵ وکٹر ہیوگیو ایونیو''۔ داروغہ صاحب نے اسے دیکھتے ہی سیٹی بجا دی، اور ایک بٹن دبا دیا۔ پھاٹک خودبخود کھل گیا، اور دو فائربریگیڈ کے انجن باہر نکل پڑے، فائر مین پہلی منزل پر چوکس بیٹھے تھے۔ ان کو حکم رہتا ہے کہ سیڑھی یا لفٹ کا انتظار مت کرو، جونہی حکم ملے، پانی کے پائپ سے ہی پھسل کر نیچے آ جاؤ۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک نے نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ مرزا صاحب کو صورتِ حال کا احساس ہوا، بھاگے بھاگے اُن کے پاس گئے، اُن کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ لیکن جس کو روکتے وہ اُن کا ہاتھ ایک طرف ہٹا دیتا تھا اور کہتا ''۹۵ وکٹر ہیوگو ایونیو''۔ یعنی یہ کہ تمھارے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ہمیں گھر کا پتہ معلوم ہے۔ دیکھتے دیکھتے وہ انجنوں پر سوار گھنٹیاں، گھنٹے بجاتے روانہ ہو گئے۔ اُن کے شور سے سارے محلے میں جاگ ہو گئی۔ اور لوگ چونک کر کھڑکیوں میں جھانکنے لگے کہ کیا اُفتاد آن پڑی ہے۔ بعضوں نے فائربریگیڈ دیکھ کر فرض کر لیا کہ آگ لگی ہے اور شور مچانا اور دھڑا دھڑ باہر چھلانگیں لگانا شروع کر دیا۔ ایک فائر مین نے اُن کے فلیٹ کی کھڑکیوں پر پانی کا تڑیڑا بھی دینا شروع کر دیا۔ اور دوسرا کلہاڑا لے کر اوپر چڑھ گیا۔ لیکن آگ نہ دھواں۔ کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ ہجوم میں ایک صاحب انگریزی دان بھی تھے، اُن کو مرزا صاحب نے

بتایا کہ چابی اندر رہ گئی ہے۔ فقط اُس کو نکالنا ہے۔ اُن سے کہیے کہ اتنے کھڑاگ کی ضرورت نہیں۔ فقط ایک آدمی اندر گھس کر دروازہ کھول دے، بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ لوگ بکتے جھکتے چلے گئے۔ اور رپورٹ کی کہ اُن صاحب کے ہاں تھا کیا جسے آگ لگتی۔ ناحق غلط اطلاع دے کر ہمارے کام کا نقصان کیا ہے۔ ان سے ہرجانہ لیا جائے۔ بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔''۲۷

اِسی طرح اپنی پر اسرار کیفیات کو سپردِ قلم کرنے کے لیے مصنف کو علامتی ماورائیت کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے۔ روزنامچہ نگار اپنے باطن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے احساسات و جذبات کو من و عن حوالہ قلم کر کے اپنے لاشعور میں چھپے ہوئے خدشات کا اظہار کرتا ہے۔ اختصار سے کام لے کر روزنامچہ نگار اپنا ما فی الضمیر بے ساختگی اور سادگی سے بیان کرتا ہے، جو صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ الفاظ کے چناؤ میں صاحبِ اسلوب کی مہارت اور افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔ کیونکہ سوچ، فکر اور خیال تو آزاد پرندے کی مانند ہوتے ہیں اور لفظ اُن کے سامنے غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس روزنامچہ نگار اپنے مطمعِ نظر کو بیان کرنے کے لیے مادیت و پرکاری کا سہارا نہیں لیتا بلکہ جو سادہ انداز اپناتا ہے وہ اُس کا اسلوبِ نگارش ہوتا ہے۔ روزنامچہ نگاری کا کوئی مخصوص اسلوب نہیں ہے کیونکہ روزنامچہ ایک ذاتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد روزنامچہ تحریر کرتے ہیں۔ جن میں شعرا اور ادباء کے علاوہ صحافی، ڈاکٹر، انجینئر، فوجی افسران و سپاہی حتیٰ کہ مزدور بھی شامل ہیں تو ہر شخص اپنے مطمعِ نظر کو بیان کرنے کے لیے مختلف اندازِتحریر اپنائے گا اور اپنے اپنے ذخیرۂ الفاظ اور دائرۂ اختیار کے اندر رہتے ہوئے اپنا الگ اسلوب ترتیب دے گا۔ پس اِن حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ روزنامچہ نگاری کا کوئی مخصوس اسلوب متعین نہیں ہے اور ہر روزنامچہ نگار اپنی عقل و فہم، ادراک، شعور، ذہنی سطح، تعلیم اور ماحول کے مطابق اپنا نقطۂ نظر کسی بھی اسلوب میں واضح کر سکتا ہے۔

روزنامچہ نگاری کے مختلف مباحث پر تبصرہ کرنے کے بعد یہ حقیقت منظرِ عام پر آتی ہے کہ یہ ایسی صنفِ ادب ہے جس کے ذریعے کسی بھی روزنامچہ نگار کی ذات، خاندان، مشاغل، تعلیمی قابلیت، ذہنی استعداد، قلبی محسوسات، سماجی شعور، عادات و اطوار اور ذہنی و نفسیاتی کیفیات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اُس کی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی ممکن ہوتی ہے۔ آزاد اور فطرتی اندازِ بیان اور اسلوبیاتی پابندیوں سے مبرا روزنامچوں میں حقیقی زندگی کی تصویر کشی کی جاتی ہے جس سے سماجی رویوں کی خوبصورتی اور بدنمائی کا احساس بھی ہوتا ہے اور فردِ واحد کی اندرونی کشمکش اور روحانی تسکین کا ادراک بھی۔ ساتھ ہی اندرونی خلفشار کے مقابلے میں کیے گئے بیرونی خطرات سے نبردآزما ہونے کے لیے کی گئی کاوشوں کا پتہ بھی چلتا ہے اور انسانی ذہن کے ارتقاء اور روزنامچہ نگار کی شخصیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ یوں روزنامچہ ادیب کی شخصیت اور اُس کے عہد کی روایات کا امین، عصری شعور کا عکاس اور اجتماعی طرزِ احساس کا ضامن بھی ہوتا ہے۔ جس کے باعث کامیاب لوگوں کی زندگی کی کہانی پڑھ کر کامیابی حاصل کرنے کی لگن اور ہمت پیدا ہوتی ہے اور ناکامیوں سے سبق سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ غرض روزنامچہ نگاری ایسی صنفِ ادب ہے جس سے انسانی فطرت کی درست عکاسی کافی حد تک ممکن ہوتی ہے اور یہ معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) احمد دہلوی، سید: مولوی؛ *فرہنگ آصفیہ*؛ جلد اول؛ لاہور؛سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۱۹۸۶ء۔ص ۳۸۳۔
(۲) وارث سرہندی: *علمی اُردو لغت*؛ لاہور؛علمی کتب خانہ؛ ۱۹۷۳ء۔ ص ۸۳۰۔
(۳) نورالحسن، نیر کاکوروی: *نور اللغات*؛ جلد سوم؛کراچی؛ جنرل پبلشنگ ہاؤس۔ص ۲۱۷۔
(۴) حسن عمید: *فرہنگ عمید*؛ ایران؛ موسہ انتشارات امیر کبیر؛۱۳۸۱ھ ص ۲۶۹۔
(۵) ابراہیم مصطفی: *المعجم الوسیط؛ مجمع اللغۃ العربیہ بالقاھرہ*؛ الناشر دار الدعوۃ؛ س۔ ن۔ ص ۳۱۴/۱۔

(۶) حمد مختار: عبدالحمید عمر؛ معجم *اللغۃ العربیہ المعاصرہ*؛ الطبقۃ الاولیٰ؛ الناشر عالم الکتب؛ ۲۰۰۸ء۔ص ۸۱۶/۱۔
(8) Oxford Online Dictionary, URL: oxforddictionaries.com/definition/english/diary .
(۸) محمد رفیق خاور: *اردو تھیسارس*؛ اسلام آباد؛ مقتدرہ قومی زبان؛ طبع چہارم؛ ۲۰۱۲ء۔ ص ۲۵۶۔
(۹) عطش درانی، ڈاکٹر: *اردو اصناف کی مختصر تاریخ*؛ لاہور؛ مکتبہ لائبریری؛ بار دوم؛ ۱۹۸۶ء۔ ص۱۵۱۔
(۱۰) صبیحہ انور، ڈاکٹر: *اُردو خودنوشت سوانح حیات*؛ لکھنؤ؛نامی پریس؛ ۱۹۸۳ء۔ص ۱۲۹۔
(۱۱) پریم چند، منشی: صدارتی خطبہ؛ مشمولہ *روشنائی*؛ از سجاد ظہیر؛ لاہور؛مکتبہ اُردو؛ ۱۹۵۶ء۔ص ۱۰۲۔
(۱۲) ابوذر عثمانی: *اسالیب نثر*؛ پٹنہ؛تعلیمی مرکز؛ ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۷۱۔
(۱۳) *تینتیس* ۳۷ (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵ء۔ ص ۱۵۱۔
(۱۴) ضمیرجعفری، سید: *ضمیرحاضرضمیرغائب*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۷۸ء۔ص ۷۔
(۱۵) شبلی نعمانی، مولانا: *مقالاتِ شبلی*؛ جلد چہارم۔ نورالدین جہانگیر: ؛ص۲۱۷۔
(۱۶) مسعود مفتی: *لمحے*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۹۵ء۔ص ۸۔
(۱۷) ضمیرجعفری، سید:*ضمیرحاضرضمیرغائب* ؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۱۹۷۸ء۔ص ۸۔
(۱۸) *القران* :سورۃ القیٰمۃ؛ آیت نمبر ۱۴۔
(۱۹) محمد صفدر، رانا، ادا: *اردو آپ بیتی کی تاریخ*؛ غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مملوکہ شعبۂ اردو؛علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ اسلام آباد؛ ۱۹۹۸ء۔ ص ۱۶۳۔
(۲۰) نذر صابری۔غیر مطبوعہ ڈائری؛ اگست ۱۹۷۲ء۔
(۲۱) *تینتیس ۳۷* (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵۔ص ۶۔
(۲۲) ضمیرجعفری، سید: : *پہچان کا لمحہ*؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۲۰۰۲ء۔ص ۶۔
(۲۳) جمیل جالبی، ڈاکٹر: *ادب، کلچر اور مسائل*؛ کراچی؛ رائل بک کمپنی ۱۹۸۲ء۔ ص ۲۸۔
(۲۴) *تینتیس ۳۷* (جریدہ): شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی؛ جلد پنجم؛۲۰۰۵ء۔ ص ۵۔
(۲۵) فرزانہ کوثر ملک؛ *اردو کے منتخب روزنامچوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ*؛ غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل؛ مملوکہ شعبۂ اردو؛ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ اسلام آباد؛ ۲۰۱۱ء۔ص ۱۲۔
(۲۶) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر: *ساختیات، پس ساختیات، مشرقی نظریات*؛ دہلی؛قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان؛ ۱۹۹۴ء۔ص ۷۸۳۱۔
(۲۷) ابن انشاء: *آوارہ گرد کی ڈائری*؛ مکتبہ دانیال؛ کراچی؛ ۱۹۷۴ء۔؛ ص۵۔